طارق بن عُمر*

ناول "مصحف" ایک تجزیاتی مطالعہ

Abstract: *The novel of Numra Ahmed "Mushaf" is offering such a unique role in this novel who is searching his own existence. What is the purpose of life? and what is the object and reality of death. Weather the pleasure is attached with his grief? The story of searching and investigation are the main point of this Novel which presents the problems of human being properly by examining his substance and passions.*

انسان جب سے اِس دنیا میں آیا ہے، وہ ہمیشہ سے اِس کوشش میں رہا ہے کہ آخر اِس کا مقصدِ زندگی ہے کیا؟ زندگی خود کیا ہے؟ اِس کی سوچ کہاں سے آتی ہے، پیدا ہونے سے پہلے کیا اُس کا تعلق اِس کائنات سے تھا اور کیا مرنے کے بعد اُس کا تعلق اِس کائنات سے رہے گا؟ اس کا مقام خود اِس کائنات میں کیا ہے؟ ہم کیوں ہمیشہ سے تلاش میں رہتے ہیں اور زندگی و موت کا عنصر آخر کیوں عمل سے جُڑا ہوا ہے؟ بے بسی، لاچاری ہم پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے، خود اعتمادی کی لہر ہمارے اندر وہ کون سے عوامل پیدا کرتی ہے جو اُمید کا رنگ اپنے اندر رکھتی ہے؟ غرض اِس طرح کے بے شمار سوالات ہیں، جو ہم سوچتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ اِس کا جواب اُس صورت میں ہمارے سامنے آئے جو ہم خود چاہتے ہیں۔ اگر ایسا ہو تو ہم خوش ہوتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہو تو مایوس ہو جاتے ہیں یا پھر اُس قوت کی تلاش شروع کر دیتے ہیں، جو ایسے سوالوں کے جواب رکھتی ہے، نمرہ احمد نے اپنے ناول "مصحف" میں ایسے ہی سوالات کو سامنے رکھا ہے، جو انسان کا حاصل ہوتے ہیں۔ انسان کی بے بسی اُس کی سوچ میں تک سرایت کر جاتی ہے۔

> "ہم چچاؤں کے رحم و کرم پہ پلنے والے یتیموں کے نصیب بھی کتنے یتیم ہوتے ہیں نا۔ خود پہ ترس کھاتی وہ اندر آئی تھی۔"(1)

> "کچن کی طرف آئی تو سنک میں جھوٹے برتنوں کا ڈھیر لگا تھا۔ ناگواری سے ناک چڑھائے، اس نے بیگ سلیپ پہ رکھا اور ہاٹ پاٹ کی طرف بڑھی۔ صبح ناشتے کے بعد سے اب تک کچھ نہ کھایا تھا، اور اب زوروں کی بھوک لگی تھی۔ ہاٹ پاٹ کھولا تو وہ خالی تھا۔ رومال پہ روٹی کے چند ذرے بکھرے تھے۔ اس نے فریج کھولنا چاہا تو وہ لاکڈ تھا۔ مہتاب تائی اس کے آنے سے قبل فریج لاک کر دیتی تھیں۔ مسرت اس کے لیے کھانا بچا کر ہاٹ پاٹ میں رکھتی تھیں، مگر جب سے مہتاب تائی نے کھانے کی خود نگرانی شروع کی تھی، ہاٹ پاٹ ہر تیسرے دن خالی ہی ملتا تھا۔

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، شاہ عبداللطیف یونیورسٹی، خیرپور

تکلیف سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے، لیکن پھر ضبط کر کے باہر نکلی اور آہستہ سے گیٹ عبور کر کے
کالونی کے باہر نکڑ والے ہوٹل سے ایک نان اور ایک کباب لے آئی کہ اتنے ہی پیسے تھے۔"(2)

ہم اپنی زندگی میں آسانیاں چاہتے ہیں، لیکن دوسروں کی زندگیوں کو مشکلات میں دیکھنا چاہتے ہیں، ایسا کیوں ہے، شاید اِس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ یہ انسانی فطرت میں شامل ہے اور فِطرت کا عمل بعض اوقات انسانی نفسیات سے جُڑا ہوا ہوتا ہے۔ نمرہ احمد نے اِس ناول میں اِس نفسیاتی کیفیت کو بہت خوبی سے بیان کیا ہے، فرد اپنا عمل اور ردِ عمل اُس حلقے میں زیادہ دکھاتا ہے، جہاں زندگی کا بیشتر حصہ وہ گزار رہا ہوتا ہے، اِس ناول میں "محمل" کا کِردار اِسی عمل کی جانب اشارہ کرتا ہے کہ فرد پر جب گھر کا ماحول دباؤ ڈالتا ہے تو یہ کس کِس انداز میں اپنا ردِ عمل ظاہر کرتا ہے۔ واقعات کِردار پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہر انسان چیزوں پر یقین رکھتا ہے، اور اپنی زندگی کو ایسے ذرائع سے رجوع کرنے کی کوشش کرتا ہے، کہ جہاں پر سوچنا، احساس کرنا، اور اندرونی کیفیت میں شعور کی روشنی واضح ہو۔ "محمل" کا کِردار ایک ایسا کِردار ہے جو اپنے اندر نہ صرف علامتی پہلو رکھتا ہے، بلکہ زندگی کی ترجمانی بھی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ہماری نشوونما میں ارتقائی عمل اہمیت کا حامل ہوتا ہے، اور رویے ایک واضح عمل تشکیل دینے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر ملک غلام مرتضیٰ کہتے ہیں،

"اسلام نے حقوق العباد کی تعین کے ذریعہ انسان پر اس کی معاشرتی ذمہ داریاں واضح کر دیں اور اِن کی اہمیت اس حد تک بڑھائی کہ انہیں حقوق اللہ پر بھی فوقیت دے دی۔ ایک اسلامی معاشرے کے شہریوں میں اس قسم کا مزاج پیدا کیا جاتا ہے کہ ہر انسان حقوق العباد کو پہچانے اور دوسروں کے حق کو ہمیشہ ہمیشہ اپنے حق پر ترجیح دے۔ اگر ذرا بھی دوسرے شخص کا حق تلف ہو گیا تو رزق حلال نہ رہا۔ دنیا میں بھی رزق سے برکت اُٹھ گئی اور آخرت میں بھی خیر نہیں۔ یعنی مزاج میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ یہ احتیاط کر لو کہ کسی نہ کسی طرح سے اپنا حق دوسرے کے حصے میں چلا جائے ایسا نہ ہو کہ دوسرے کا حق اپنے حصے میں پہنچ جائے اور ساری کی ساری کمائی حرام یا مُشبہ بن جائے"۔(3)

ہم رویوں کو کیوں اہمیت دیتے ہیں؟ اور ہماری سوچ اِن رویوں کو کتنی قبول کرتی ہے، اِس ناول میں اِن پہلوؤں کی بھی عکاسی کی گئی ہے۔ یہ نمرہ احمد کی بصیرت کا ایک کارنامہ ہے کہ آپ نے "محمل" کے کِرادار کو صرف زبانی بیان تک محدود نہیں رکھا، بلکہ اِسے معاشرتی حالات اور عملی زندگی کا تصور بھی دیا۔ ذہنی اور فکری رجحانات محرکات کا سبب بنتے ہیں، بعض اوقات داخلی اور بعض اوقات خارجی میلانات کو ظاہر کرنے کا باعث ہوتے ہیں۔ انسانی رشتے بھی اِس کے زیرِ اثر آجاتے ہیں۔

" اور ٹیوشن کی اجازت بھی تو کتنی منتوں سے اسے ملی تھی۔ جب سب کے سامنے اس نے پوچھ لیا تو شروع میں تو سب ہی اکھڑ گئے لیکن اس کا فقرہ کہ "ٹھیک ہے" آج یکم تاریخ ہے لائیے آغا جان میری پاکٹ منی نکالیے، مگر وہ اتنی ہی ہو جتنی سدرہ اور مہرین باجی کو ملتی ہے، کیونکہ اگر مجھے پاکٹ منی نہ ملی تو میں سدرہ اور مہرین کے ہر اچھے اور مہنگے جوڑے کو آگ لگا دوں گی، اور وہ پہلی دفعہ وہ اتنی جنونی ہو کر بولی تھی کہ مزید دس منٹ کی بحث کے بعد اسے اجازت مل ہی گئی تھی اور ابھی جو اماں نے یاد دلایا کہ وہ لوگ ان کا مال کھاتے ہیں، تو وہ یہ سوچے بغیر نہ رہ سکی کہ کچھ ایسا ضرور ہے کہ آغا خان اس بیس سالہ لڑکی سے خائف ہیں۔ اگر کبھی وہ اپنا حصہ مانگنے کھڑی ہو جائے تو۔۔ تو کیا ان کا کیس اتنا کمزور ہے کہ وہ عدالت کا فیصلہ اپنے حق میں نہ کرا سکیں گے اور انہیں ہر چیز محمل کے حوالے کرنی پڑے گی؟ اور کیا وہ بیس سالہ لڑکی اتنی باہمت ہے کہ وہ ان سب کو، ان شطرنج کے اتنے ماہر اور چالباز کھلاڑیوں کو اپنی انگلیوں پہ نچا سکیں؟

جواب ایک زور دار نہیں تھا۔ وہ کبھی بھی ان کے خلاف اٹھ کھڑی نہیں ہو سکتی تھی، لیکن۔۔۔ اگر کبھی اس کے ہاتھ ان کی کوئی کمزوری لگ جائے کوئی دکھتی آگ جسے دبا کر وہ اپنے سارے حساب چلتا کر سکے، تو کتنا مزا آئے۔۔ مگر ایسی کیا، دکھتی آگ ہو سکتی تھی ان کی؟"۔(4)

ہم اِس دنیا میں آئے، اِس دنیا میں رہے اور اِس دنیا سے چلے گئے، یعنی ہمارا واسطہ ماضی، حال اور مستقبل کے واسطوں سے پڑا، جسے ہم وقت کا نام دیتے ہیں۔ یہ ایک ایسی قوت ہے، جو نا محسوس طریقوں سے ہم پر اثر انداز ہوتی ہے، ہم نہ چاہتے ہوئے بھی وقت کی شاہراہ پر سفر کرتے ہیں اور اِس سفر میں خوش گوار اور ناخوش گوار واقعات سے واسطہ پڑتا ہے، ہم اُمید پر قائم رہتے ہیں، اور چاہتے ہیں کہ ہمارا مستقبل ہر ممکن طریقے سے محفوظ ہو جائے۔ وقت کی لہریں ہمارے خیالات کو متاثر کرتی رہتی ہیں۔ ہم ذہنی دباؤ میں آتے ہیں، اور سکون کی تلاش میں نکل جاتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ ہر ایک کا زاویہ فکر الگ الگ ہوتا ہے۔ ہر انسان اپنا مزاج رکھتا ہے، اور مزاج شخصیت پر اثر انداز ہوتا ہے، جزئیات نئے افکار کو جنم دیتی ہیں۔ اس ناول میں وقت کو بھی ایک ایسے کردار کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو نا محسوس طریقے سے انسان کی تنہائی کو اُجاگر کرتا ہے، انسان سوچتا ہے، اور وقت اِس سوچ میں ارتقائی عمل کو آگے بڑھاتا ہے، یوں انسان اور وقت ازل سے ابد تک ساتھ رہتے ہیں۔ اِس ناول میں ایک نمایاں چیز جو سامنے آئی ہے وہ یہ ہے کہ وقت کو بطور منصف بھی پیش کیا گیا ہے، اور ہم اکثر وقت ہی کے ہاتھوں پریشان رہتے ہیں۔ نمرہ احمد نے وقت کی لہروں کو جو صرف ایک حساس فرد ہی محسوس کر سکتا ہے، اُسے معاشرتی پہلوؤں سے اُجاگر کیا ہے۔

تمارے چہرے پہ لکھا ہے، تمہارا دل غمگین اور روح بوجھل ہے، تم تکلیف میں ہو لوگوں کی باتیں تم سے برداشت نہیں ہوتیں۔ ہے نا؟

معلوم نہیں، اس نے بظاہر لاپروائی سے شانے اچکائے۔ البتہ اندر دل زور سے دھڑکا تھا۔

اور تم مستقبل کے بارے میں خوفزدہ اور ماضی کے بارے میں غمگین ہو شاید۔

شاید۔ اب کے وہ واضح تھی۔ بے اختیار اسی لبوں سے پھسلا تھا۔

تم اپنا مستبل اور اپنی تمام پریشانیوں کا حل جاننا چاہتی ہو، کچھ ایسا ہو جس سے یہ تمہیں تنگ کرنے والے لوگ تمہارے آگے پیچھے پھرنے لگیں، تمہارے محبوب تمہارے قدموں میں آگرے، مال و دولت تم پہ نچھاور ہو جائے، تم سب کو اپنی مٹھی میں کر کے دنیا پہ راج کرو، کیا تم یہی نہیں چاہتیں؟"(5)

جیسے جیسے وقت آگے کی جانب بڑھ رہا ہے، ویسے ویسے سماجی و سیاسی حالات نے ناآسودگیوں کو جنم دینا شروع کیا ہے۔ جدید تعلیم جہاں ایک جانب ایک نیا فکر و شعور عطا کر رہی ہے، وہیں پر دوسری جانب نظریات نے شعور کو ایک نیا رنگ دیا ہے۔ انسان کا اگر خارجی رجحان تغیرات کا شکار ہو تو اُس کی داخلی فکر یقیناً کشمکش اور اضطراب کا شکار ہو گی۔

نمرہ احمد نے اپنے کردار "محمل" کے ذریعے انسانی خواہشات کی ناآسودگیوں کو یادوں کا نام دیا ہے۔ انسان جب ارادے کی منزل پر پہنچ جاتا ہے تو وہ پھر سماجی پابندیوں کو قبول کرنے سے انکاری ہوتا ہے۔ فرد اپنی فطرت کے تابع ہوتا ہے، اور رویے اُس کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہیں۔ انسان کی تمام ذہنی حالتیں شعور کا حصہ ہوتیں ہیں، ایک ایسی آزاد فضا جس میں فرد اپنی کوئی سوچ نہیں رکھتا، بنیادی طور پر وہ گھٹن کا شکار ہوتا ہے۔ اور اپنی صلاحیتوں کو اُن کاموں میں صرف کرنے لگتا ہے۔ جس سے اُس کو کسی بھی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

معاشرے کے طور طریقے اُس تعلیم کی نفی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، جو بچپن سے ذہن میں موجود ہوتی ہے۔ یا کتابوں میں موجود ہوتی ہے۔ انسان کا نفس خیالات کے زیر اثر رہتا ہے، اور بعض اوقات جبر اُسے پیچیدگیوں اور اُلجھنوں میں کچھ اِس طرح سے ڈال دیتا ہے کہ انسان جمود کا شکار ہو جاتا ہے۔ ذہنی انحطاط اِس حد تک بڑھ جاتا ہے کہ نہ صرف وہ شخص طلب بھول جاتا ہے بلکہ ایک ایسا اجنبی مسافر کی حیثیت اختیار کر جاتا ہے، جہاں پر مذہب سے بیگانگی اور کسی حد تک ناشکرانہ پن اُس کے دل میں جگہ بنالیتا ہے۔ اِس ناول "مصحف" میں جہاں سوال اُٹھائے گئے ہیں وہیں پر اُن کے جواب بھی دیئے گئے ہیں۔ یہی ایک منفرد خوبی ہے جو اِس ناول کو روشناس کی سطح تک لے جاتی ہے۔ ایک ایسا حساس فرد جب خدا سے کوئی سوال کرتا ہے تو اکثر اُس کے سوالات میں کسی حد تک اپنے لیے جھنجھلاہٹ کا عنصر شامل ہوتا ہے، اصرار اِس بات پر ہوتا ہے کہ مجھے کیا ملا، جبکہ خدا کو بہتر معلوم ہے کہ انسان کے لئے کیا بہتر ہے، اِس زاویہ فکر سے اِس ناول میں کیفیت کی لہروں کو نمایاں کیا گیا ہے اور یہ کیفیات کردار کو ماحول سے قریب تر کر دیتی ہے۔

"میں کیا مانگوں؟ مانگنے کی ایک طویل فہرست ہے میرے سامنے۔ مجھے کبھی وہ نہ ملا جس کی میں نے تمنا کی تھی، جو ایک اچھی زندگی گزارنے کے لیے انسان کے پاس ہونا چاہیئے، مجھے کبھی بھی وہ نہ ملا جو لوگ جمع کرتے ہیں۔

کیوں؟ کیوں میرے پاس وہ سب نہیں ہے جو لوگ جمع کرتے ہیں؟ اور جب دل نے کوئی جواب نہ دیا تو اس نے چہرے پہ ہاتھ پھیر کر آنسو خشک کیے اور سر اُٹھایا۔

سامنے ہال کے سرے پہ ایک بڑا سا اسٹیج بنا تھا۔ درمیان میں میز اور کرسی رکھی تھی، ایک طرف فاصلے پہ ڈائس بھی رکھا تھا۔ شاید وہاں درس و تدریس کا کام بھی، ہوتا تھا۔ کرسی کے پیچھے دیوار پہ ایک بے حد خوبصورت خطاطی سے مزین فریم آویزاں تھا۔

اس پہ وہ سرسری سی نگاہ ڈالتی یک دم ٹھٹک کر رکھی۔ خوب صورت عربی عبارت کے نیچے اردو میں خوشخط لکھا تھا۔

"پس لوگوں کو چاہیے کہ اس پہ خوشی منائیں۔ قرآن ان سب چیزوں سے بہتر ہے جنہیں لوگ جمع کر رہے ہیں۔" (یونس58)۔(6)

ہر فرد سیاسی و سماجی حالات سے متاثر ہوتا ہے، معاشرے میں موجود رجحان اُسے ایک نیا شعور عطا کرتا ہے۔ جبر اور گھٹن کی کیفیت فرد میں اضطراب کا باعث بنتی ہے۔ انسان کے ارادے کچھ ہوتے ہیں، وقت انہیں کسی اور سمت لے جاتا ہے، انسان اپنی فطرت پر قائم رہتا ہے، اور خواہشات اُسے نئے ذائقے کی جانب کھینچتے ہیں۔ انسانی کیفیات لمحہ بہ لمحہ بدلتی رہتی ہیں، جب وہ غور و فکر کو اپنا لیتا ہے، انسان کے اندر احتجاج اُس وقت جنم لیتا ہے، جب سماج سے جُڑے ہوئے دوسرے افراد اپنی ذمہ داریوں سے بھاگتے ہیں، یوں بعض اوقات نفسیاتی اُلجھن سامنے آتی ہے، اِس ناول "مصحف" میں جہاں انسان کو فکری ہیت کی تصویر دکھائی ہے، وہیں پر دوسری جانب انسانی خیال کو نئی حقیقتوں سے روشناس بھی کرایا ہے۔ وہ اثرات جو فرد اپنے باطن میں محسوس کرتا ہے، تبدیلیوں کا باعث بنتا ہے۔ فرد کی ذہنی تشکیل آدمی کو زندگی سے واقف کراتی ہے۔ مذہب جہاں ایک جانب خوف پیدا کرتا ہے تو دوسری جانب ہی کوشش کرتا ہے جتنی وہ اس سے محبت کرتا ہے۔

تسلی بھی دیتا ہے۔ نمرہ احمد نے جو تصور دیا وہ سوچ و فکر کے ساتھ ساتھ ذہنی کیفیات اور اخلاقی تقاضوں کو بھی اُجاگر کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ ذہنی کشادگی فرد میں ذہنی بیداری پیدا کرتی ہے۔ انفرادی سطح پر اقدار کی پامالی انسانیت کے تصور کے تقدس کو متاثر کرتی ہے۔

ہم جو کچھ سوچتے ہیں، اُسے اپنے جذبات کے ذریعے سوچنے کے عمل میں تبدیل کرتے ہیں۔ پھر جو کچھ ہمارے سامنے آتا ہے تو بعض اوقات ہم حیران ہو جاتے ہیں۔ اِس طرح کا رجحان ہمیں چھپے ہوئے اسرار اور جزئیات پر غور و فکر کی دعوت دینے لگتا ہے۔ اِس ناول میں انسانی ذہن میں اُبھرنے والے نہ صرف سوالوں کے جوابات دیے گئے ہیں، بلکہ زندگی کے بے شمار رنگوں کو بھی سمیٹا گیا ہے۔ یوں انسان کو نئے راستوں کی تلاش کی جانب گامزن کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ شاید اِس لیے کہ حرکت ہی زندگی ہے، جو نئے راستے اور نئے تصورات کو جنم دیتی ہے۔

"یہ کبھی نہیں ہوا تھا کہ وہ جو سوچے، وہ قرآن میں لکھا ہوا نہ آئے۔ لوگ اس کی بات نہیں سنتے تھے۔ سنتے تھے تو توجہ نہیں کرتے، اگر توجہ بھی کرتے تو سمجھتے نہیں، اور ایک قرآن تھا، اسے کہنا بھی نہیں پڑتا اور وہ دل کی بات دھیان سے سُنتا، توجہ کرتا، سمجھتا اور پھر دانائی اور حکمت سے اسے سمجھاتا تھا اور اِس جیسا کوئی نہ سمجھاتا تھا۔"(7)

"اس نے نوافل کی نیت باندھی اور پھر کتنی ہی دیر وہ سجدے میں گر کر روتی رہی۔ اس کے ساتھ ہر پل رہو، جو رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہو، اس کی ناراضی محسوس ہو ہی جاتی ہے اور انسان اس کی ناراضی دور کرنے کے لیے اتنا ہی کوشش کرتا ہے جتنی وہ اس سے محبت کرتا ہے۔
جب دل کو کچھ سکون آیا تو اس نے اُٹھ کر آنسو پونچھے، اور قرآن اٹھا کر ٹھیک اسی آیت سے کھولا جہاں سے چھوڑا تھا آیت روز، اول کی طرح روشن تھی۔
مگر اس کے بعد جن لوگوں نے توبہ کرلی۔ (اس کا دل زور سے دھڑکا) اور انہوں نے اصلاح کرلی تو بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔
بہت دیر سے روتے دل کو ذرا اُمید بندھی۔ ذرا قرار آیا۔ یہ توبہ کی قبولیت کی نوید تو نہ تھی، مگر امید ضرور تھی۔ اس نے آہستہ سے قرآن بند کیا۔ میڈم مصباح کہتی تھیں، اگر قرآن کی آیات میں آپ کے لیے ناراضگی کا اظہار ہو تو بھی بخشش کی امید رکھا کریں۔ کم از کم اللہ آپ سے بات تو کر رہا ہے۔
وہ ٹھیک ہی کہتی تھیں۔ محمل نے اٹھتے ہوئے سوچا تھا۔"(8)

نمرہ احمد نے اِس ناول "مصحف" میں اُسلوب کو ایک نیا رنگ دیا، ایک ایسا رنگ جس میں نہ صرف فکری سوچ پیدا ہوتی ہے، بلکہ زندگی کی وسعتوں کو سمجھنے میں مدد بھی ملتی ہے۔ یہ ناول انسان کے ہر عہد کی کہانی کے طور پر سامنے آیا ہے، اِس کی ہیت تجرباتی نہیں ہے، بلکہ حقیقت کا وہ روپ ہے، جو نئی روایت کو جنم دیتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ مشرق کی محدود سوچ اور مغرب کی بے روح فکر کی نفی کرتا ہے۔

نفسیاتی نقطہ نظر سے روایت پرستی کی بھی نفی کرتا ہے بلکہ ساتھ ساتھ اظہار کے نئے وسیلے اور زاویے بھی تلاش کرتا ہے، انسان کی ارتقائی سوچ کو فطری انداز دیا گیا ہے، اِس کے ساتھ ساتھ اِس بات کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ فرد کو بھی غیر بہم سوچ کو اپنے اندر پیدا نہیں کرنا چاہیئے، اِس طرح نہ صرف اُس کی شخصیت پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، بلکہ مقصد بھی غیر واضح ہوتا چلا جاتا ہے۔

جدید ذہنیت کا حامل فرد کسی بھی قسم کی پابندی کو رد کرتا ہے۔ غیر یقینی صورتحال جو بعض اوقات انسان کو مجبور بنا دیتی ہے، اِس ناول میں انسان ایک فعال اور متحرک ہستی کے طور پر سامنے آیا ہے، جدوجہد، مایوسی بے زاری اور ذہنی کشمکش کو ایک تصور عطا کرتی ہے، اور وہ تصور خود انسان کی اپنی ذات ہے۔ ہر انسان کا مرکزی نقطہ نظر اُس کا مفاد ہوتا ہے، اِسی مفاد کے تحت وہ اپنی زندگی گزارتا ہے۔ ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب فرد اپنے مفاد کو کچھ ایسے تبدیل کرتا ہے کہ یا تو دوسرا فرد اُس سے متاثر ہوتا ہے، یا پھر وہ خود متاثر ہو جاتا ہے۔ یہ مرحلہ اُس وقت آتا ہے، جب فرد اور سماج کا ٹکراؤ ہوتا ہے۔ بدلتے ہوئے حالات نئی راہیں نکالتے ہیں، یوں بقا کے راستہ کا یقین ہو جاتا ہے۔

> "ندامت کے آنسو اس کے گالوں پہ لڑھک رہے تھے، اسے بستی نہیں چھوڑنی چاہیے تھی۔ اگر کچھ لوگ قرآن نہیں سُننا چاہتے تو کوئی تو ہو گا۔ جو اسے سننا چاہے گا۔ خود وہ کیا تھی؟ قرآن کو اس روز چھت پہ کھولتے ہی بدک اُٹھنے والی، آج کدھر تھی! صرف اس سیاہ فام لڑکی کی ذراسی کوشش، ذرا سے تجسس کو بھڑکانے والے عمل سے وہ کسی نہ کسی طرح آج ادھر پہنچ گئی تھی کہ اللہ اس سے بات کرتا تھا، پھر اپنی پارسائی پہ غرور اور دوسرے کی تحقیر کیسی؟ اس کے آنسو بھی بہہ ہی رہے تھے کہ ڈرائیور سامنے سے آتا دکھائی دیا۔ اس کے دونوں ہاتھوں میں پانی کی بوتلیں تھیں۔ اور جو اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اُس کے لیے راستہ نکال ہی دیتا ہے۔"(9)

انسان خود کیا ہے؟ اِس کے وجود کا حاصل مقصد کیا ہے؟ جو کچھ ہمیں نظر آتا ہے کیا وہ واقعی حقیقت ہے؟ یا پھر انسان کا مقدر صرف تنہائی میں ہی پوشیدہ ہے، "محمل" کا کردار اِن ہی تصورات کو لے کر آگے بڑھتا ہے۔ ہم جرم کیوں کرتے ہیں، شاید اِس لیے کہ اِس طرح ہم تسکین حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ذہن کا انتشار دل کے انتشار کا باعث بنتا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کہتے ہیں:

> "مساوات اور برابری انسان کی فطرت کا تقاضا ہے۔ اُس کا پیدا ہونا، اُس کا کھانا، پینا، سونا، جاگنا، رہنا سہنا، جینا مرنا اُس کی زندگی کے لوازم میں سے ہے۔ جو پیدا ہوا ہے وہ ضرور کھائے گا، پیے گا، سوئے گا، جاگے گا اور پھر اُسے مرنا ہو گا، خواہ وہ کہیں رہتا ہو اور اُس کے معاشرتی حالات کچھ ہی ہوں۔ اور یہ سب کچھ سب کے لیے اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی خلقت میں ایک ہے۔۔۔

ایمان، امن چاہتا ہے اور اسلام، سلامتی چاہتا ہے۔ جب ہمارا دین امن وسلامتی چاہتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ ہر معاملے میں مساوات کو قائم رکھے گا، اور وہی تعلیم دے گا جس میں امن وسلامتی ہے۔"(10)

اِنسان کی تعلیم اُسے نہ صرف باشعور بناتی ہے، بلکہ اُس کے کِردار پر بھی مثبت اثرات مرتب کرتی ہے۔ نمرہ احمد نے بڑی باریک بینی سے انسان کی اُس جبلت کا مشاہدہ پیش کیا ہے۔ جہاں ماحول، مناظر اور مظاہرِ کائنات ایک نقطے میں سمیٹے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اِس ناول میں مناظر کی بھی خوبصورت تصویر کشی کی گئی ہے، اِس سے اندازہ ہوتا ہے کہ نمرہ احمد نے حقیقت کو احساسات اور جذبات کا نام ہی نہیں دیا بلکہ منفی قوتوں کی بھی نشاندہی کی ہے۔ اِس ناول میں دو واضح رجحانات بھی نظر آتے ہیں۔ ایک طرزِ احساس اور دوسرا وہ فطری مسرتوں کا حصول جو انسان ازل سے حاصل کرنے کا کوشاں رہا ہے۔

ہم یہ بات مانتے ہیں کہ انسانی زندگی میں اضطراب اپنی خارجی اور باطنی کیفیات رکھتا ہے۔ یوں جہاں ایک جانب تہذیبی و معاشرتی مسائل جنم لیتے ہیں وہیں پر انسان اپنے اندر اٹھنے والے دکھوں کو بھی اپنی روح کی گہرائیوں تک میں محسوس کرتا ہے۔

انسان کا خیال جب انفرادی حیثیت سے ایک تصور کا روپ اختیار کر لیتا ہے تو زندگی کے اصول بعض اوقات اپنا اظہار خیال نہیں کر پاتے۔ ہم جتنا زندگی کا قریب سے مشاہدہ کرتے ہیں، ہمیں زندگی داخلی اور خارجی کیفیات میں مبتلا نظر آتی ہے۔ فرد کی ایک ایسی سوچ جو انسان کو متحرک نہ کرے، ایک طرح سے موت ہی ہے۔ ہر انسان اپنا احساس ایک خاص نظریے سے جوڑتا ہے۔ دنیاوی زندگی طرزِ احساس پر بعض اوقات حاوی ہو جاتی ہے، جبکہ کسی بھی قسم کے نظریات معاشرے کی تشکیل کا باعث بنتے ہیں۔ کسی بھی قسم کا ایک معاشرہ اپنے اندر ایک تصور اور ایک فکر کو اپنائے ہوئے ہوتا ہے۔ نمرہ احمد نے اِس طرزِ احساس کو اپنے ناول "مصحف" میں جہاں ایک جانب روحانیت سے جوڑا ہے، وہیں پر دوسری طرف اِسے جذباتی وابستگی بھی قرار دیا ہے۔

"وہ پلک تک نہ جھپک پا رہی تھی۔ اس کا دل جیسے رعب سے بھر گیا تھا۔ رعب سے اور خوف سے۔ یکایک اسے لگا اس کے ہاتھ کپکپا رہے ہیں، اسے ٹھنڈے پسینے آ رہے ہیں، وہ بہت بھاری کتاب تھی، بہت بھاری، بہت وزنی، وہ جس کا بوجھ پہاڑ بھی نہ اٹھا سکتے ہوں، وہ کیسے اٹھا سکتی تھی؟ اسے لگا اس کی ہمت جواب دے جائے گی۔ وہ اب مزید وہ بوجھ نہیں اٹھا پائے گی۔ وہ عام کتاب نہیں تھی، وہ اللہ کی کتاب تھی۔ اسے اللہ نے اس کے لیے، خاص اس کے لیے اتارا تھا۔ ہر لفظ ایک پیغام تھا۔ ہر سطر ایک اشارہ تھی۔ اس نے اتنی زندگی ضائع کر دی۔"(11)

ناول "مصحف" میں رویے کا بہت عمل دخل ہے، اور اِس رویے میں جدوجہد کے ساتھ ساتھ اُس کشمکش کا بھی خاص ذکر ہے، جو بعض اوقات فرد خود اپنی ذات سے لڑتا ہے۔ جہاں ایک جانب دکھ کی خاموشی چھائی ہوئی ہے تو دوسری جانب اضطراب اور جستجو بھی اپنی آرزوؤں کے ساتھ شامل ہے۔

نمرہ احمد نے پوری فضا اور سارے ماحول کو شروع سے لے کر آخر تک اِس اعتدال میں رکھا کہ پڑھنے والا متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ رنج و غم کی کیفیت اور ایک خاص جذباتیت انسان کو ایک ایسے کرب میں مبتلا کر دیتی ہے کہ جہاں ایک نئی دنیا کی تعمیر خواہش بن کر سامنے آتی ہے۔

> "ایک خاموش لمحے میں اس پہ کچھ آشکار ہوا تھا۔ یہ جو ہوا تھا، اسے ایسے ہی ہونا تھا۔ وہ جو کر لیتی، یہ اللہ کی مرضی تھی، ہو کر رہی تھی، یہ اس کی تقدیر تھی، شاید اس کی دعاؤں نے اسے کسی بڑے نقصان سے بچا لیا ہو، مگر کیا اس سے بھی کوئی بڑا نقصان ہو سکتا تھا؟ کوما، معذوری، بیزار شوہر، بدکتا ہو بچہ۔ اب کیا رہ گیا تھا زندگی میں۔"(12)

اس ناول میں زندگی کی مکمل تصویر ہمارے سامنے آتی ہے۔ وہ جذباتی اور جسمانی رشتے جو مرکزی حیثیت کے حامل ہیں۔ جن کے اِرد گرد ہماری سوچ گھومتی ہے جن کی بدولت ہم معاشرتی اور معاشی سمجھوتے کرتے ہیں، اور جن کی بدولت ہم مصائب جھیلتے ہیں، اگر یہ مرکزی کردار اپنے دائرہ عمل سے ہٹ جائیں تو حساس فرد اس تلخیوں کو بھی نصیب سمجھنے لگتا ہے۔

معاشرے میں باوقار مقام کی آرزو ہر فرد رکھتا ہے، لیکن طبقاتی تضاد فرد کی سماجی حیثیت کا تعین کرتا ہے۔ داخلی جذبات انسانی تخیل کا باعث بنتے ہیں۔ اخلاق ایک ایسا عنصر ہے، جو انسان پر نہ صرف باطنی اثرات مرتب کرتا ہے، بلکہ وہ مناظرِ فطرت جو جذباتیت کا پہلو رکھتے ہیں، زندگی کا تسلسل برقرار رکھنے میں مدد دیتی ہیں۔

اگر ہم دنیا میں بکھرے ہوئے حُسن کی بات کریں تو نمرہ احمد نے اسے انسان کے اندر کی تصویر قرار دیا ہے۔ انسان کی یہ فِطرت رہی ہے کہ وہ یادوں میں رہنا پسند کرتا ہے۔ شاید اِس لیے کہ جب وہ حالات سے تنگ آجائے اور تدبیر کو سمجھ نہ سکے تو فرار کا راستہ اختیار کر جاتا ہے۔ اور ماضی کی خوبصورت یادوں میں پناہ لیتا ہے۔

گریز کی کیفیت جہاں ایک جانب عدم طمانیت کو ظاہر کرتی ہے، وہیں پر ذہنی کیفیات کو بھی اُجاگر کرتی ہے۔ عقل کچھ سمجھاتی ہے، آنکھ کچھ دیکھتی ہے، اور دل کچھ اور محسوس کرتا ہے۔ اِس طرح کے رجحانات مثبت سوچ میں توڑ پھوڑ کا باعث بنتے ہیں، تنہائی کا احساس بڑا بے رحم ہوتا ہے، فرد کی خواہشات تلخ حقیقتوں میں بدل جاتی ہے۔

نمرہ احمد نے اِس ناول میں جہاں ایک جانب رومانوی احساسات کا رنگ پیش کیا ہے، وہیں پر مادی رشتوں کو بھی یکجا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اِسی وجہ سے اِس ناول میں وسعت پیدا ہوئی، یعنی انسان کے حقیقی و غیر حقیقی خیالات ایک لرزش کی صورت میں سامنے آئے۔ اِنسان تغیرات کا پیکر ہے، لیکن اگر تسلسل کو اپنا ہم خیال نہ بنائے تو پھر اُس کی ذات احساسِ جمال سے محروم ہو جاتی ہے۔

نمرہ احمد نے درد مندی، انسانیت اور نامعلوم خلش کو کچھ اِس طرح سے یکجا کیا کہ ناول کی کہانی دھیمے لیکن تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی رہتی ہے۔ وہ جانتی ہیں کہ انسان کی فِطرت میں محبت کا جذبہ موجود ہوتا ہے، صرف اِس کی فِطرت کو سمجھنا ضروری ہے۔ زندگی میں ٹھہراؤ اور سکون صرف اُس وقت ممکن ہے، جب ہمارے رویے اور ہماری سوچ میں اعتدال کا عنصر شامل ہو گا۔ "محمل" کا کِردار بے حد جذباتی لگاؤ رکھتا ہے، لیکن اِسی کِردار کی بدولت ہمیں انسان کے نازک رشتوں کا علم ہوتا ہے۔

> "کیا بکواس ہے؟ اگر تمہیں لگتا ہے کہ تم معذوری کا ڈرامہ رچا کر میری ہمدردی حاصل کر سکتی ہو تو، اس خیال کو دل سے نکال دو اور مجھے میری زندگی جینے دو، خدا کے لیے اب پیچھا چھوڑ دو میرا، اور ٹھک سے فون بند ہو گیا۔
>
> وہ سکتے کے عالم میں ریسیور ہاتھ میں لیے سن سی بیٹھی رہ گئی، کتنے لمحے گزرے، کتنے بادل گرجے، کتنی بجلی چمکی، کتنے قطرے برسے، وہ ہر شے سے غافل، بنا پلک جھپکے شل سی بیٹھی تھی۔ لب اَدھ کھلے، آنکھیں پھٹی پھٹی اور ہاتھ میں پکڑا ریسیور کان سے لگا۔ وہ کوئی مجسمہ تھا جو ٹیلی فون اسٹینڈ کے ساتھ اس وہیل چیئر پہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔"(13)

ہمارا معاشرہ ایک تنگ نظر معاشرہ ہے، ہم جو کچھ سوچتے ہیں، اور جب اِس سوچ کو معاشرہ کے سامنے رکھتے ہیں، تو ہمارے سامنے یہ بات آتی ہے کہ ہم اور معاشرہ ایک خاص کرب میں مبتلا ہیں، اور اِس کرب کو دور کرنے کے لیے ہم اکثر کشمکش میں مبتلا ہو جاتے ہیں، یوں بعض اوقات ہمیں ایک ایسے گناہ کا احساس ہوتا ہے، جو ہم نے کیا نہیں ہوتا۔ ہماری گھریلو زندگی ہماری شخصیت پر اثر انداز ہوتی رہتی ہے، یوں نفوذ کا وہ عمل جو مثبت رُخ اختیار کرنا چاہیئے تھا، اکثر منفی رُخ کی جانب چلا جاتا ہے۔ جذبات و احساسات اپنے اندر کِس طرح کے پہلو رکھتے ہیں، اِسے ہم انکساری یا جبر کے خلاف ہمارے معاشرے کو مادیت پرستی نے مزید بے چین اور مضطرب کر دیا ہے، عدم تحفظ اور ایک حقیقی سکون کی تلاش بے چینی میں مزید اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ مایوسی کا احساس آہستہ آہستہ اپنی جگہ بناتا ہے۔

نمرہ احمد نے اِس ناول میں نئے دور کے نہ صرف تقاضوں کو پورا کیا ہے، بلکہ اپنے کِردار "محمل" کی شخصیت میں اعتدال اور توازن کو بھی برقرار رکھا ہے۔ شگفتی اور مشرقی ثقافت کی بھی بھرپور عکاسی کی گئی ہے۔ فِطرت سے محبت اور انسانی بنیادی روایات کو ایک مضبوط بنیاد بھی فراہم کی گئی ہے۔ بدلتا ہوا زمانہ زندگی کی نئی نئی راہوں کی تلاش میں رہتا ہے۔ انسان وقت کے تقاضوں کو محسوس کرتا ہے،

اور زندگی و موت کے اجزاء کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، یوں اُس کو اپنا مقصدِ حیات سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔ انسان کی خوشی اُس کے خلوص میں چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ روح کی طمانیت اُس کے عمل سے وابستہ ہوتی ہے۔ خود آگہی جہاں ایک جانب خوف کو پیدا کرتی ہے، وہیں پر دوسری جانب اعتماد اور فکری عمل کا سبق بھی دیتی ہے۔

ناول "مصحف" میں خوف کا پہلو بھی ایک عنصر کے طور پر سامنے آیا ہے، یعنی ہر وہ انسان جو اپنے عمل سے مطمئن نہ ہو، خوف کا پہلو اپنے اندر رکھتا ہے۔ معاشرہ اور انسانیت کی ٹوٹ پھوٹ شدت کو بڑھاتی ہے، ایک ایسی شدت جسے ہم احساس یا بے چینی کا نام دے سکتے ہیں، معاشرتی زندگی بہت سے تقاضے رکھتی ہے، اور یہ تقاضے ادراک سے وابستہ ہوتے ہیں۔

> "اس کی باتوں سے محسوس ہوتا تھا کہ وہ آرزو اور ہمایوں کے تعلق کو بھی جانتا تھا، مگر محمل دانستہ اس موضوع کو نہیں چھیڑتی تھی۔ محمل کو اب احساس ہوا تھا کہ تیمور غیر معمولی ذہین اور سمجھدار لڑکا تھا۔ وہ ایک ایک چیز کے بارے میں خبر رکھتا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ کب ہمایوں نے اسے طلاق دی، کب اسے جھڑکا، کب اس پہ چلایا اور دوسری ہر شے جو ان دونوں کے درمیان تھی، وہ ظاہر کرتا تھا کہ اسے اس سے نفرت ہے، مگر اس کے باوجود وہ اس کے ہر پل کی خبر رکھتا تھا۔"(14)

انسان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی ہے کہ وہ خود مختار اور آزاد زندگی گزارے، دوسرے کے نظریات و خیالات سے ضرور متاثر ہوتا ہے، لیکن اپنی ذات کے اندر وہ کسی کا عمل دخل پسند نہیں کرتا، یہی معاشرتی حقیقت ہے، زندگی کا نشیب و فراز فرد کو خدا کے نزدیک لے جاتا ہے، اُس کے احکامات کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، بلکہ اِس پر عمل پیرا ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ زندگی کی تلخی کو واقعات کی گردش سمجھتا ہے، اور اگر اِس دوران وہ شُکر کے نقطہ نظر کو سمجھ لے تو بھی ناشکری کا فلسفہ بھی اُسے سمجھ میں آجاتا ہے۔ یہ سب فکری سوچ اور انفرادیت میں پیش آنے والے اعمال ہے۔ بے سکونی کی لہر اُس وقت مزید گہری ہو جاتی ہے جب فرد حسرتوں کا شکار ہونے لگتا ہے۔

خدا ہمیں جس راستے پر لے جانا چاہتا ہے، وہ نعمتوں کا راستہ ہے، اب ہمارا یہ فرض ہے کہ پہلے ہم شُکر اور توبہ کریں پھر اُس کی نعمتوں کا ذکر کریں۔ انسان جلد باز ہے، اور ہمیشہ اپنی ضروریات کو سامنے رکھتا ہے، شُکر اور توبہ کا عنصر اِس میں کم ہی پایا جاتا ہے، شاید اِس لیے کہ وہ کم عقل واقع ہوا ہے۔ نمرہ احمد نے اِس پہلو کو بھی اپنے ناول "مصحف" میں نہ صرف بہت خوبی سے بیان کیا ہے بلکہ اِسے زندگی کی ایک ایسی کیفیت کا نام دیا ہے جہاں ہر فرد خوف، ندامت اور احساس کے مِلے جلے جذبات رکھتا ہے۔

> "ہم زمانہ جاہلیت سے دور اسلام میں آکر ایک ہی دفعہ توبہ کرتے ہیں، ساری عمر پھر عمل صالح تو کرتے ہیں مگر بار بار کی توبہ بھول جاتے ہیں۔ ہم کھائی سے بچ کر سمجھتے ہیں کہ زندگی میں پھر کبھی کھائی نہیں

آئے گی اور اگر آئی تو بھی ہم بچ جائیں گے۔ ہم ہمیشہ نعمتوں کو اپنی نیکیوں کا انعام سمجھتے ہیں اور مصیبتوں کو گناہوں کی سزا، اس دنیا میں جزاء، بہت کم ملتی ہے، اور اِس میں بھی امتحان ہوتا ہے۔ نعمت، شکر کا امتحان ہوتی ہے اور مصیبت صبر کا اور زندگی کے کسی نئے امتحان میں داخل ہوتے ہی منہ سے پہلا کلمہ حطتہ کا نکلنا چاہیے، مگر ہم وہاں بھی گندم مانگنے لگتے ہیں۔ اللہ اسے زندگی کے ایک مختلف فیز میں لایا تو اسے بخشش مانگنی چاہیے تھی۔ مگر وہ "ہمایوں" اور "تیمور" کو مانگنے لگ گئی۔ حنطتہ حنطتہ کہنے لگی گئی۔ گندم مانگنا بُرا نہیں تھا۔ مگر پہلے بخشش مانگنی تھی۔ وہ پہلا زینہ چڑھے بغیر دوسرے کو پھلانگنا چاہ رہی تھی اور اسے پار کب لگا جاتا ہے۔"(15)

نمرہ احمد نے اِس ناول "مصحف" میں زندگی کے سماجی و معاشی پہلوؤں کا بھی احاطہ کیا ہے۔ ذہنی انتشار کیونکر ممکن ہوتا ہے، عمل اور ردِ عمل انسان کی کیفیات کو کیسے تبدیل کر کے رکھ دیتا ہے، یہاں تک کہ وہ عناصر جو محرک بنتے ہیں، وہ انسان کی شخصیت کو کیسے تبدیل کر کے رکھ دیتے ہیں، یہ سب زندگی کے رنگ ہیں، اِن رنگوں میں انسان کی محنت و ریاضت کا کتنا عمل دخل ہے، نمرہ احمد نے اِن ہی حقائق کو بیان کیا ہے۔ "محمل" کے کردار نے ٹھہراؤ اور مستقل مزاجی کے سبب گہرے ادراک کا ثبوت دیا ہے۔

ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان کہتے ہیں،

"اللہ پاک کی تمام نعمتیں مجموعی طور پر بھی حاصل ہوتی ہیں اور انفرادی طور پر بھی ملتی ہیں۔ لیکن کوئی فرد اپنی جماعت یا معاشرے کے بغیر ان نعمتوں سے پورا پورا فائدہ نہیں اُٹھا سکتا۔ کھانے پینے، اُٹھنے بیٹھنے اور دنیا کے تمام کاموں میں ہر شخص باہمی تعاون کا محتاج ہے۔ ایک ہی شخص گندم کا بیج بو کر، اُسکی سیرابی کر کے، اُس کو تیار کر کے اُس کی روٹی اُس وقت تک استعمال نہیں کر سکتا، جب تک ہر ہر قدم پر اُسے دوسروں کا تعاون حاصل نہ ہو۔ گویا جماعت اور معاشرہ کے ربط اور تعلق ہی سے فرد کی زندگی بنتی ہے اور افراد کے مجموعے ہی کو جماعت اور معاشرہ کہتے ہیں۔۔۔۔ فرد اور معاشرہ جبھی اچھا ہو سکتا ہے جب کہ ہر فرد میں (سورۃ والعصر کے مطابق) ایمان اور عمل صالح ہو اور معاشرے میں حق اور صبر کے اوصاف ہوں۔ ایسے فرد اور معاشرے ہی کی جماعت ہمیشہ سرفراز رہے گی"۔(16)

فرد زماں و مکاں کے اثرات سے کبھی بھی نکل نہیں پاتا، ہم معاشرے کا ایک ایسا حصہ ہیں، جو ہر وقت دباؤ میں رہتا ہے۔ فرد کی مزاحمت بعض اوقات چھوٹی چھوٹی غلطیوں کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔ زندگی میں محبت کا رنگ اِس ناول کے تناظر میں قربانی کا جذبہ رکھتا ہے۔

نمرہ احمد نے زندگی کی جُزئیات میں اُن حقیقتوں پر بھی روشنی ڈالی، جہاں عام طور پر ہمارا ذہن نہیں جاتا، فطرت کو آپ نے مختلف روپ میں دکھایا، اِس بات پر زور دیا کہ مشاہدہ انسان کے لیے کتنا ضروری ہے۔ اگر ہم دوسروں کے احساسات کو اپنے اندر محسوس کریں تو ایک خاص قسم کی ہم آہنگی جنم لے گی، جو انفرادی اور اجتماعی طور پر مثبت رجحانات کو جنم دے گی۔ انسان کے اندر چھپی ہوئی چھبن کو جو اُسے خارجی حالات کے باعث ملتی ہے، انسانی ذہن کو کسی بھی ردِ عمل کی جانب اُبھارنے پر مجبور کرتی ہے۔

انسان کا مزاج بھی عجیب ہے، بعض اوقات وہ خود کو اتنا بے بس محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ اُس کے وجود کو کوئی سنبھالے، زندگی کے سفر میں ذہنی سفر کا ارتقاء جب رُک جاتا ہے تو چاروں جانب اندھیرا محسوس ہوتا ہے، انسان کی خوشی اور غمی اُس کے محسوسات میں پوشیدہ ہوتی ہے۔ ہم جب معاشرے کے دباؤ میں آکر انتشار کا شکار ہوتے ہیں تو ہماری کیفیت ہماری شخصیت سے متصادم ہو جاتی ہے۔

نمرہ احمد نے اِس کیفیت میں مبتلا انسان کی خوبصورت تصویر کشی کی ہے اِن کے خیال میں دوسروں کا سہارا جو آپ کے عین مزاج کے مطابق ہو، سُکون کا باعث بنتا ہے۔ ذہنی وسعت جذبے کو عملی پیرائے میں ڈھالنے کا سبب بنتی ہے۔ ناول "مصحف" میں محمل کے کِردار نے اپنی ذات کی تلاش کے تصور کو بھی اُجاگر کیا۔

انسان روتا کیوں ہے؟ شاید اِس لیے کہ اُس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اُس کے درد کو کم کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔ زندگی کے لمحوں کو سُکون چاہیئے، اور یہ صرف اُس کلام میں ملے گا، جسے ہم قرآن کہتے ہیں۔

> "زندگی میں بعض لمحے ایسے ہوتے ہیں، جب آپ سے خود قرآن نہیں پڑھا جاتا۔ اس وقت آپ کسی اور سے قرآن سننا چاہتے ہیں۔ آپ کا دل چاہتا ہے کہ کوئی آپ کے سامنے کتاب اللہ پڑھتا جائے اور آپ روتے جائیں۔ بعض دفعہ آپ خوش ہونے کے لیے اس کے پاس جاتے ہیں، اور بعض دفعہ صرف رونے کے لیے"۔(17)

جس طرح انسان کی زندگی ایک امانت ہے، اُسی طرح اِس زندگی کا ایک ایک لمحہ امانت بھی ہے۔ گزرتے ہوئے لمحوں میں اگر ہم سچائی کا رنگ شامل کر دیں تو ہماری زندگی کا ہر پہلو روشن ہو جائے گا، لیکن ہم ڈرتے ہیں، اُس روشنی سے، کیونکہ اِس میں خود ہماری ذات پنہاں ہوتی ہے۔ شاید اِسی لیے ہم اب دنیا کی قیادت سے ہٹا دیے گئے ہیں۔ ہمارا یہ انفرادی عمل اجتماعی اختیاری کر گیا ہے۔ ہماری سوچ،

ہماری فکر اور ہمارا طرزِ عمل امانت، صداقت سے ہٹ کر جھوٹ کے پیرائے میں آگیا ہے۔ ہماری پوری زندگی ادراک سے ہٹ گئی ہے۔ ہمارا انداز، ہمارا مخاطب نئی تشریحات اور نئی فکر لیے ہوئے ہے۔

نمرہ احمد نے ناول "مصحف" میں انسانی زندگی کی اساس سچائی کو قرار دیا ہے اور یہ سچائی ہمیں صرف اور صرف قرآن میں ہی ملے گی۔ ہم سب سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں، لیکن پھر بھی اُسی راستہ پر چلنا پسند کرتے ہیں، جہاں ہر طرف ناقابلِ عمل اور فضول رویے موجود ہوتے ہیں۔ زندگی کے سفر میں تغیرات کا جنم بعض اوقات معنیٰ خیز واقعات کو جنم دیتا ہے۔ اظہار کا عنصر حقائق سے وابستہ ہوتا ہے۔ اِسی لیے اشارات کو سمجھنا اور اُن کی معنویت کو جاننا وقت کا اہم تقاضا ہوتا ہے۔

> "حضرت محمدؐ کے زمانے کے عرب معاشرے کے بارے میں عمومی تاثر یہ رکھتے ہیں کہ وہ بہت جاہل، گنوار لوگ تھے اور بیٹیوں کو زندہ دبانے والے وحشی تھے، لیکن اِن لوگوں میں بہت سی خوبیاں بھی تھیں۔ وہ مہمان نواز تھے۔ عہد کی پاسداری کرتے تھے۔ جہاں تک بیٹیوں کو زندہ درگور کرنے کا تعلق ہے تو یہ کام عرب کے کچھ غریب قبائل کرتے تھے اور اس وقت بھی انسانی حقوق کی تنظیمیں تھیں جو فدیہ دے کر ان بچیوں کو چھڑاتی تھیں۔ اور رہی بات صداقت کی تو عرب معاشرے میں جھوٹ بولنا انتہائی قبیح عمل سمجھا جاتا تھا اور لوگ اس شخص پہ حیران ہوتے تھے جو جھوٹ بولتا ہو، اِسی لیے ان لوگوں کو قرآن دیا گیا تھا اور اِسی لیے ہم لوگ اس کی سمجھ سے محروم کر دیے گئے ہیں، کیونکہ نہ تو ہم سچ بولتے ہیں، اور نہ ہی امانت کا خیال رکھتے ہیں، بھلے وہ کسی ذمہ داری کی امانت ہو، کسی کی عزت، یا کسی کے راز کی۔"(18)

انسان کے اندر ہمیشہ جستجو اور وسعت نظری کا پہلو ہونا چاہیئے، زندگی میں آنے والی ناکامیاں دراصل فرد کو محرک رکھنے کا باعث بنتی ہیں۔ ہم سوچتے ہیں، سمجھتے ہیں اور پھر عمل کی جانب راغب ہوتے ہیں۔ شعور اور لاشعور کی آگاہی خود ایک محرک ذریعہ ہے، جو انفرادی طور پر اور کبھی اجتماعی طور پر ہمیں وجدان عطا کرتا ہے۔

نمرہ احمد نے ناول "مصحف" میں اُن عوامل کی نشاندہی کی ہے، جہاں انسان مایوسیوں میں گھر کر اِس نظامِ کائنات کو منفی انداز سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے۔ وہ خود اپنی حیثیت کو اِس قابل ہی نہیں سمجھتا کہ کسی بھی قدر میں اہمیت دے، لیکن وہ یہ نہیں سمجھتا کہ اُس کی حیثیت اِس کائنات میں مرکز کی سی ہے۔ اُس کے پاس قرآن پاک جیسی عظیم کتاب موجود ہے۔ جہاں اُس کا ماضی، اُس کا حال اور اُس کا مستقبل موجود ہے۔ وہ وقت کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے، اور وقت اُس پر اثر انداز ہوتا رہتا ہے۔ انسان کی زندگی ہاں اور نہ کے درمیان

گزرتی رہتی ہے۔ "محمل" کا کردار زندگی کے جس نشیب و فراز سے گزرتا ہے، اُس نے اُس راستہ کی راہ دکھائی جہاں انسان مطمئن اور پُر سکون رہتا ہے۔

حوالہ جات:

1. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 7
2. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 7
3. ملک غلام مرتضیٰ ڈاکٹر، خطباتِ حرم، ڈاکٹر مرتضیٰ ایجوکیشنل ٹرسٹ، 2005ء، صفحہ 175
4. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 13
5. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 20
6. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 60
7. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 102
8. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 125-126
9. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 135
10. غلام مصطفیٰ خان، ندائے سحر، ڈاکٹر مساوات، المصطفیٰ اکادمی، حیدرآباد 188ء صفحہ 189-192
11. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 147
12. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 171
13. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 182
14. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 209
15. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 222
16. غلام مصطفیٰ خان، ندائے سحر، ڈاکٹر مساوات، المصطفیٰ اکادمی، حیدرآباد 188ء صفحہ 196-197-200-201
17. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 222
18. نمرہ احمد، مصحف، مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 2012ء، صفحہ 238

☆☆☆☆☆